ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

پاکستانی اُردو فکشن میں نرگسیت۔منظر اورپس منظر

Narcissism in Pakistani Urdu Fiction…Scenery and Background

Muhammad Anwar Haris
Ph.D (Scholar)
Email: harisanwarmalik@gmail.com
Dr. Fazeelat Bano
Associate Professor Minhaj University Lahore
Email: fazeelatbno@hotmail.com

ABSTRACT:

Literature is a mirror in which one can see the social structure of the society and the formation of civilization and culture. The reflection of the time, environment and contemporary demands of the literature is seen in the creation of the writer. The deep consciousness and modern awareness of the artist makes the creative work universal. The day-to-day changing situation of the society, psychological conflicts and harshness in attitudes, have made man feel insecure. In such a case, bringing the psychological and mental conditions of different classes into fiction is a process by which the discomforts, grudges and ugliness within the society have been expressed. In the nineteenth century, attention has been paid to exploring the factors and phenomena of narcissism at the psychological level. Psychologists created the cruel and destructive attitudes of self-righteousness, ego, sexuality and sensuality hidden within man, which had entered into hman actions. Thanks to the term narcissism, writers sought to peer into the mysterious worlds of the human and, adorned with human feeling and emotions, the expression of the psychological tendencies of omnivorous narcissism has been highlighted as an indisputable fact in Urdu fiction. Where there is material for enjoyment, the positive and negative aspects of human behavior have also been presented. After the establishment of Pakistan, our society had to face the cultural and social problems. In such a situation, narcissism is a natural process. Anxiety and uncertainty in our soeicty has shaken the social unit. Mental anxiety, selfishness, existentialism, sensuality, mental restlessness have reached a certain level. All these things are precursors of narcissism. These psycho-narcissistic facors are well presented in Urdu fiction.

Key Words:

Literature, Mirror, Self-identification, Civilization and clture, Fiction, The social unit, Existentialism, Defeat, Narcissism, Psychological conflect, social behavior.

کلیدی الفاظ:

ادب، آئینہ، خود کی شناخت، تہذیب و ثقافت، فکشن، سماجی اکائی، وجودیت، شکست خوردگی، نرگسیت، نفسیاتی کشمکش، معاشرتی رویے۔

ہر دور اور زمانے کا ادب اپنے اندر اُس کی مکمل تصویر ہوتا ہے ۔ اپنے دور کے تقاضوں، مسائل، ماحول، آرزوئیں، خواب اور یاس و امید غرض ہر طرح کے عصری تقاضوں کا آئینہ دار ہوتا ہے جس میں سارا عہد ہماری نظروں کے سامنے چھا جاتا ہے۔ نگاہِ دوررس کے حامل ادیب عصری رجحانات اور انسانی زندگی کے جذبات و احساسات کو اپنے باطن میں محسوس کرتے ہیں۔ اُس دور کی تہذیب و معاشرت اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ہمارے مطالعہ کا حصہ بن جاتی ہے۔ ادب اپنی تہذیبی فضا کے علاوہ ادیب یا فن کار کی شخصیت کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔ فکشن نویس ہو یا شاعر، شعوری اور لاشعوری طور پر اپنے احساسات، ا پنے باطن کی آواز، اپنے جذبات و احساسات کو بغیر کسی رکاوٹ یا تناؤ کے، بڑے آرام سے اپنی ذہنی تسکین کے ساتھ لفظ کا جامہ پہنا کر اپنی تخلیقات میں سمو دیتا ہے۔ فن کار کا گہرا سماجی شعور اور عصری مسائل سے آگاہی ادب کو آفاقیت سے ہم کنار کر دیتی ہے۔ اس طرح سے ادب اور معاشرے کا تعلق نہایت مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں پیدا شدہ مخصوص رجحانات و میلانات کا کارواں اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ وقت کے مخصوص تقاضے اور حالات ایسے میلانات کو جنم دیتے ہیں جو کچھ عرصے کے لیے ہمارے سماج میں رائج ہو جاتے ہیں۔ یہ رجحانات فکشن نویسوں کو اپنی جانب راغب کرتے ہیں۔ ادیب ان رجحانات کو بڑی مہارت سے فن پارے میں ڈھال دیتا ہے۔ پاکستانی اُردو فکشن میں نرگسیت کا نفسیاتی مطالعہ ہمارے معاشرے کی سماجیات کے مسائل کی گِرہ کشائی میں اہمیت کا حامل ہے۔

تاریخ کے اوراق پر نگاہ ڈالی جائے تو نفسیاتی نرگسیت کے عناصر عہدِ قدیم سے لے کر موجودہ زمانے تک کسی نہ کسی شکل میں موجود رہے ہیں۔ زرعی دور ہو یا صنعتی دور یا مابعدجدیدیت کا انفارمیشن اور ٹیکنالوجی کا دور انسانی نفسیات میں نرگسیت کے آثار نظر آتے ہیں۔ اٹھارویں صدی میں جب انگریزی ادب میں نسوانیت کی تحریک نے فروغ پایا تو مشرقی ادیبوں نے نسوانی تحریک سے متاثر ہوتے ہوئے اپنے عاشقانہ جذبات، درد و الم پرمبنی محسوسات اور جنس پرستی کے نرگسی عوام کو اپنے فن میں سمونا شروع کر دیا۔ مختلف ادوار میں طرح طرح کے رجحانات اور تحرکات نے جنم لیا جن کے اُردو زبان و ادب پر دوررس اثرات مرتسم ہوئے۔ مثلاً جاگیردارانہ نظام، سرمایہ دارانہ نظام، ملوکیت اور اشتراکی نظام، سرئیلزم اور لایعنیت، حقیقت و مثالیت پسندی کا رجحان، رومانوی و نفسیاتی اور علامتی و تجریدی تحرکات وغیرہ۔ اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ تقسیمِ ہند کے نتیجے میں اُبھرتے تہذیبی اور سیاسی حالات کا جدید اُردو فکشن کی روایت میں ایک کلیدی کردار ہے جس میں رومانی تخیل آفرینی، حقیقت نگاری، معاشی و معاشرتی کروٹوں کی کشمکش، نفسیاتی و جنسی نظریات، شعور اور لاشعور کی رو کی کرداروں کے ذریعے جھلک، دیومالائی عناصر کی کارفرمائی، ہجرت کے مسائل، خودکشی اور دہشت گردی کے مذہبی رجحانات نے نفسیاتی حوالے سے فرد اور معاشرے کو عدم تحفظ، پہچان کی گم شدگی اور یاسیت سے ہم کنار کر دیا ہے۔

جب ہم پاکستانی اُردو فکشن کی بات کرتے ہیں تو اُردو داستانوں کی روایت سے لے کر ناول و افسانہ میں مختلف طبقات کی نفسیات میں نرگسیت کے لوازمات کا در آنا ایک فطری عمل ہے۔ انسان ہمیشہ سے اپنے بنیادی جذبات کی نفسیاتی تسکین کی تلاش و جستجو میں محو رہا ہے۔ عصرِ حاضر میں یہ جستجو پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ اُردو فکشن کے ذریعے سے اُن نرگسی رجحانات میں پنہاں نفسیاتی عمل کو پیش کیا گیا ہے جس میں ہمارے معاشرے کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشی و مذہبی زندگی میں لوگوں کو جن محرومیوں، ناآسودگیوں، رنجشوں اور کدورتوں کا سامنا رہا ہے اُس کی پیکر آفرینی نظر آتی ہے۔

عہدِ قدیم کا وہ استحصالی نظام جس نے برصغیر کی سماجیت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، تقسیمِ ہند کے بعد اس نظام نے مزید جابرانہ صورت اختیار کر لی ہے۔ پاکستانی اُردو فکش کے اندر جو اضطراب اور بے چینی اور اخلاقی پستی کے آثار نظر آتے ہیں ان کے اندر اخوت، رواداری، محبت اور دلجوئی کی فراوانی کے جذبات کا اُجاگر ہونا اور مادیت و سرمایہ دارانہ نظام کی کڑی دھوپ میں جلتے ہوئے انسان کا دنیا سے بیزاری اور گریز اختیار کرنا دراصل نرگسی رجحانات کا اظہار ہے۔ لہٰذا فکشن نگاروں نے جس طرح سے نرگسی اصطلاح کو بروئے کار لا کر معاشرے کی سماجی و تہذیبی نرگسیت کو پیش کیا ہے اس سے معاشرے کے مثبت و منفی دونوں پہلو کُھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ ناول اور افسانہ میں بغاوت، ہجر و وصال، بحران و انتشار اور کرب و درد کی تہہ میں گہری روح پرور اور جاں سوز محبت کی تلاش کی انتہا نرگسیت کا حاصل ہے۔ چناں چہ اُردو فکشن میں نرگسیت کا نفسیاتی مطالعہ خاصی اہمیت کا حامل ٹھہرتا ہے۔ اس کی بدولت انسان کے تہذیبی و ثقافتی اور سماجیاتی سفر کے نفسیاتی عوامل کا ادراک ہوتا ہے۔ اُردو فکشن قیامِ پاکستان سے لے کر موجودہ صورتِ حال کے تغیرات کے مراحل کا آئینہ دار ہے۔ وقت اور ماحول کے جن تغیرات اور انسانی سائیکی کے جن درپردہ عوامل نے ان تینوں اصناف (داستان، ناول، افسانہ) کو جنم دیا اُن کا کماحقہ مطالعہ اور تجزیہ کے لیے نرگسیت کی نفسیاتی تاریخ کا مطالعہ ناگزیر ہے جو انسانی سائیکی کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے اور جس تک رسائی کا اہم ترین طریقہ کار علم النفس ہے۔

نرگسی رجحانات و میلانات کی کھوج لگانا علم النفس اور اُردو فکشن دونوں کا محور و مرکز ہے ۔ دونوں کا مقصود انسانی حیات کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کا مطالعہ ہے۔ دونوں ذہنِ انسانی کے انتہائی پیچیدہ، پُراسرار اور گریز پا رموز و حقائق کی تلاش و جستجو کے متلاشی ہیں۔ داستان گو، ناول نویس اور افسانہ نگار ذہنِ انسانی کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر کر انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جن لطیف اور نازک گوشوں کا کھوج لگاتے ہیں انہی کے مطالعہ سے ماہرِ نفسیات کلیے مرتب کرتے ہیں تاکہ ان کلیوں کی مدد سے ذہنِ انسانی کے تجزیہ میں آسانی رہے۔ دائرہ کار کی اس یگانگت کی وجہ سے ماہرِ نفسیات اور فکشن نویس کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ اس ربطِ باہمی کی وجہ سے جدید نفسیاتی رجحانات کے انکشاف تک رسائی ممکن ہے۔

اُردو فکشن میں نفسیاتی نرگسیت کے مطالعہ نے افسانوی ادب کے تنقیدی پیمانوں کو بھی بدلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرائیڈ نے جب خوابوں کے تجزیہ سے ذہنِ انسانی کے بارے میں چند انکشافات کیے تو ان انکشافات نے ادبی تخلیق کے اہم پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔ نرگسیت کے نفسیاتی رجحانات کا وجود اُردو فکشن میں ناگزیریت کا درجہ رکھتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اُبھرنے والی سراسیمگی و پریشان حالی،

سیاسی افراتفری، ملک گیر طوائف الملوکی کی جھلکیاں، سماجی اقدار کی توڑ پھوڑ کی صورت میں جلوہ گر ہوئیں۔ پاکستانی فکشن نگاروں نے قصے کہانیوں میں اپنے زمانے کے سماجی رجحانات اور نفسیاتی عوامل کی ترجمانی کی ہے۔ ان تخلیق کاروں نے جو کچھ اپنے سماج اور معاشرے میں دیکھا، محسوس کیا، اس کو اپنی قوتِ متخیلّہ کے طفیل ادبی فکشن میں ڈھال دیا ہے۔ معاشرے کی مادیت پرستی، روحانیت، داخلی و خارجی احساسات و محسوسات، ظاہری و باطنی رویوں، قلبی و ذہنی خلفشاروں، نفسیاتی ادغام کو اُردو فکشن کی زینت بنا دیا ہے۔ جس طرح سے پاکستانی فکشن میں زندگی کے مختلف مسائل اور نفسیاتی صورتِ حال کی مجسمہ سازی کی گئی ہے۔ اس میں نرگسیت کے نفسیاتی عوامل و مظاہر کا خاص کردار ہے۔

اُردو فکشن میں نرگسیت کے نفسیاتی رجحانات کا اظہار ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس میں جہاں ایک جانب لطف اندوزی کا سامان باہم میسر آتا ہے تو وہیں پر اِس کے مثبت و منفی پہلوؤں کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ادب سماج کا آئینہ ہے اور سماج میں موجود افراد کو انفرادی و اجتماعی سطح پر اپنا عکس ان قصے کہانیوں میں دکھائی دیتا ہے۔ فکشن کے ذریعے معاشرے کو روایت کی صورت میں ماضی کی تہذیب و ثقافت اور تمدنی آثار وراثت میں ملتے ہیں۔ اِن ماضی کی جھلکیوں میں مختلف النوع تجربات و مشاہدات، خیالات و احساسات اور نفسیاتی نرگسیت کی قدریں سماج کو نصیب ہوتی ہیں۔ ادب کے پیشِ نظر بقول فرائیڈ کے صرف اجتماعی زندگی ہی نہیں بلکہ انفرادی زیست کے خدوخال بھی ہوتے ہیں۔ یہ خدوخال سماجی حیات کے گوشے گوشے سے جھلکتے ہیں۔ جذبات و احساسات کی مجسمہ سازی نظر آتی ہے۔

اُردو فکشن میں نرگسیت کا تصور چوں کہ بہت قدیم ہے اور انسانی نفسیات سے جُڑا ہے اس کے مثبت اور منفی دونوں پہلو ہو سکتے ہیں۔ اس موضوع پر پاکستان اور ہندوستان میں کئی مقالات و مضامین ضبطِ تحریر میں آ چکے ہیں۔ علمِ نفسیات کے حوالے سے بنیادی علم مشہور ماہرینِ نفسیات کے افکار و تراجم پر مشتمل ہے۔ مغرب میں نرگسیت کے موضوع پر فرائیڈ کی کتاب (Collected Papers) اور (General Psychological Theory) بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈوئن پی۔شٹز (Duane P. Schutz) کی جدید نفسیات کی تاریخ''A history of Modern Psychology ''، رابرٹ ایس۔ ووڈورتھ کی کتاب نفسیات کے عصری سکول''Contemporary Schools of Psychology '' ایلون ٹوفلر کی کتاب تیسری لہر''The Third Wave '' اور ولیم میک ڈوگل کی کتاب (An Outline of Psychology) خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے علاوہ کیرن ہارنی کی کتاب نفسیاتی تجزیہ میں نئے طریقے (New Ways in Psychoanalysis) میں نرگسی رجحانات و عوامل کو نہایت سلیس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں کیرن ہارنی نے نرگسیت کے حدود بھی متعین کر دی ہیں۔ ''اُردو شاعری میں نرگسیت'' کے موضوع پر ڈاکٹر سلام سندیلوی نے 1974ء میں مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ 1975ء میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے سندھ یونیورسٹی سے ''اُردو افسانے کا نفسیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھا۔ نمل یونیورسٹی اسلام آباد سے 2007ء میں محترمہ صفیہ عباد نے ''ادیبوں میں خودکشی کے محرکات'' پر پی ایچ۔ڈی کا مقالہ قلم بند کیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب ''تخلیق، تخلیقی شخصیات اور تنقید'' اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ اس میں شامل ایک مضمون ''ادب نرگسیت کے آئینہ میں'' براہِ راست مجوزہ موضوع تحقیق کے لیے عمومی اصول فراہم کرتا ہے۔ نیاز فتح پوری نے ''ترغیباتِ جنسی'' کے نام سے 1911ء میں کتاب لکھی۔ کشور ناہید نے سمیون ڈی بوار کی کتاب کا ترجمہ ''عورت ایک نفسیاتی مطالعہ'' سے کیا۔ ''عورت جنس کے آئینے میں'' از ڈاکٹر سلیم اختر اور ''ادب اور نفسیات'' شکیل الرحمن کی مرتبہ کتاب ہے جس میں نرگسیت کے نفسیاتی تناظرات اور جنس پرستی کے میلانات کو پیش کیا گیا ہے۔ عبدالخالق کا مقالہ ''اُردو خاکہ نگاری میں نرگسیت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' 2011ء میں جامعہ پشاور میں پیش کیا گیا جس پر انہیں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔

دنیا کے ادیبوں نے اپنے ادب میں ایسے افراد کو پیش کیا جن میں نرگسیت کے جراثیم پائے جاتے ہیں اور جن کی اپنی ذات سے محبت ہے۔ اُردو فکشن میں ادیبوں نے معاشرتی سماجیات کا عمیق نظری سے مشاہدہ کرنے کے بعد شعوری طور پر نرگسی ذہنیت کا سراغ لگایا ہے۔ بقول سندیلوی ؛

> "اس میں کوئی شک نہیں کہ بادی النظر میں نرگسیت کے مختلف پہلوؤں میں کچھ تضاد محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ ایک شاعر میں خودداری بھی موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جاہ و حشمت کا بھی طالب ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ دراصل ان دونوں نکات میں ظاہری طور پر تضاد محسوس ہوتا ہے لیکن آپ اس نکتے پر غور فرمائیے کہ نرگسی انسان ہر حالت میں اپنی انا اور اپنی خودی کو بلند کرنا چاہتا ہے---اور سماج میں ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس

> مقصد کے حصول کے لیے وہ مختلف قسم کے حربے استعمال کرتا ہے۔ کبھی وہ اپنی خودداری کا اظہار کرکے خود کو قابلِ احترام بنانے کی کوشش کرتا ہے، کبھی وہ اپنی خود پسندی کو نمایاں کرکے دوسروں کو مرغوب کرنا چاہتا ہے۔ کبھی وہ جذبۂ محبوبیت کو پیش کرکے اپنی پرستش کرانا چاہتا ہے، کبھی وہ ہم جنسی کے رجحانات کو بے نقاب کرکے اپنی ہی جنس پر اپنی ہی ذات پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ اپنی تخلیقی خواہشات کی تکمیل کرکے اپنی عظمت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ دراصل یہ سارے نکات ایک ہی نرگسی رجحان پر مبنی انسان کے مختلف روپ ہیں، اس لیے ان میں تضاد نہیں ہے۔"[1]

ادب کے علاوہ نرگسیت کی اصطلاح علمِ نفسیات میں بھی رائج ہے۔ ماہرینِ نفسیات نے ایسے مریضوں کا مطالعہ کیا جن میں نرگسی رجحانات موجود تھے۔ ان رجحانات کی وجہ سے ان میں دماغی خلل کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ فرائیڈ نے خاص طور پر نرگسیت پر روشنی ڈالی۔ اس نے اپنے ابتدائی دور میں لاشعور، شعوری مقاصد، نفسیاتی حد بندی، خاص خواہشات کا وجود، طفلانہ جنسیت، ایغو اور قوتِ جنس کی تحریک وغیرہ کے مباحث پیش کیے جبکہ دوسرے دور میں نرگسیت، حیات اور موت کی جبلت، جبلی میلان، ایغو اور اعلیٰ ایغو کے نظریات سے بحث کی۔ غرض یہ کہ نرگسیت کا رجحان فرائیڈ کی دین ہے۔ اُردو فکشن میں اس اصطلاح کو وسیع تناظر میں دیکھا گیا ہے۔ فرائیڈ اور جدید ادب پر بات کرتے ہوئے عسکری کہتے ہیں کہ؛

> "جنس فرائیڈ کی ایجاد نہیں۔ یہ تو ایک حیاتیاتی حقیقت ہے۔ فرائیڈ کی جدت تو بس اتنی ہی ہے کہ جو بات اور لوگ کہتے ہوئے گھبراتے تھے وہ اس نے صاف صاف کہہ دی۔ پھر یہ فرائیڈ نے کبھی نہیں کہا کہ زندگی میں جنس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ آخر اس کے یہاں جنس اور لاشعور کے علاوہ انا اور فوق الانا کے تصورات بھی تو موجود ہیں"۔[2]

اگر زندگی صرف جنس کا کھیل ہوتی تب تو معاملہ بہت آسان تھا۔ ساری پیچیدگیاں، کثافتیں اور لطافتیں تو یہیں سے پیدا ہوتی ہیں کہ انسانی زندگی چار چیزوں کے عمل اور ردِعمل کا نام ہے۔ لاشعور، انا، فوق الانا اور اصولِ حقیقت۔ یعنی فرائیڈ نے انسانی تہذیب کے عوامل میں اخلاقی اور دوسری قسم کی اقدار کو بھی اتنی ہی اہمیت دی ہے جتنی جنس کو۔ فرائیڈ کے نظریات کی چوٹ براہِ راست ہمارے سماجی نظام پر پڑتی ہے۔

نرگسی رجحانات و عوامل میں کلچر کا بھی ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے۔ گریس سٹورٹ نے اس ضمن میں ''نرگسی کلچر'' کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس کے بقول اس کے بعض اوقات غلطی سے سہی، ساری تہذیب ہی نرگسی بن جاتی ہے اور ایسی تہذیب مریضانہ حساسیت، املاک پسندی، حسد، جارحیت، نفرت اور حقارت وغیرہ کی بنا پر اپنے ہیجانات پر قابو پانے میں اگر ناکام ثابت ہو تو وہ پھر اس راستہ پر آنکھیں بند کیے گامزن رہتی ہے جو بالآخر اجتماعی خودکشی پر منتج ہوتی ہے۔ مادی جدلیات اور طبقاتی کشمکش سے معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ فکشن نگار اپنے تخلیقی شعور میں جن نقوش اور رنگوں کا استعمال کرتا ہے ان میں نرگسیت کے مدارج کا اہم کردار ہے۔ اختر اپنے مضمون ''ادب۔۔۔نرگسیت کے آئینہ میں'' لکھتے ہیں۔

> "ادب میں نرگسیت کی مختلف کارفرمائیوں کے مطالعہ کی یہ تمام مثالیں نرگسیت کے اظہار کی مثبت اور فن کارانہ مثالیں سمجھی جا سکتی ہیں لیکن یہ اس وقت ہے جب نرگسیت شخصیت میں متوازن انداز سے موجود ہو یا ذاتِ اظہار کے لیے تخلیقی وسائل کامیابی سے استعمال کر رہی ہو لیکن حد سے تجاوز کی ہوئی مریضانہ نرگسیت انفرادی سطح پر شخصیت کی صحت مند نشوونما کے لیے مضر اور ادبی لحاظ سے باعثِ نقصان ثابت ہوتی ہے اور اس سے پژمردگی، دروں بینی، انفعالیت، شکست خوردہ ذہنیت، عدم تحفظ کے احساسات اور مریضانہ انفرادیت پر مبنی رجحانات پیدا ہو کر شخصیت کو ناآسودگی کے بھنور میں پھنسائے رکھتے ہیں۔"[3]

بعض اوقات نرگسیت کا پیدا کردہ منفی رویہ اچھے بھلے فن کاروں میں ایسی ذہنی الجھنیں پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے اصلی کام سے روگردانی کرتے ہوئے تنقیدی بصیرت سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے تخلیقی شعور کو غلط راہوں پر لے جاتا ہے یوں نرگسی تسکین تعمیر کی بجائے تخریب کا مؤجب بن جاتی ہے۔ اس طرح سے بعض اوقات تو نوبت خودکشی تک جا پہنچتی ہے۔ خودکشی کا میلان اُردو فکشن میں اکثر دیکھنے کو ملتا ہے۔ بعض ادیبوں نے خودکشیاں بھی کی ہیں اور بعض نے اس رجحان پر مبنی عمل کو اپنے قصے کہانیوں کے کرداروں کے ذریعے سے پیش کیا ہے۔ بقول عباد ؛

" جس طرح کوئی فن پارہ عالمِ وجود میں آنے کے لیے ایک مخصوص ماحول، سازگار حالات اور ادیب کی طبعِ موزوں کا منتظر و متلاشی ہوتا ہے اسی طرح خودکشی کا اپنا ایک موسم، اپنا رنگ، مزاج اور اپنا ایک تخلیقی کرب درکار ہوتا ہے۔"[4]

ادیبوں کی خودکشی میں عموماً ان عناصر، ماحول اور داخلی کیفیت کا بہت عمل دخل رہا ہے۔ خودکشی ادیب کے اندر اور باہر کے موسموں کی مرہونِ منت ہوتی ہے جو اپنے اندر کے ایک کرب اور تخلیقی عمل سے گزر کر جب تکمیل سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے تو اس تکمیل کے اندر اور باہر کے موسم اس طرح بے چین و مضطرب ہوتے ہیں جس طرح کوئی فن پارہ ایک مخصوص سماجی و معاشرتی حالات میں وجود پاتا ہے۔ گویا ادب میں خودکشی کا حوالہ کچھ اس طرح ہے کہ خوشیوں کے موسموں میں اُداسیاں ادیبوں کو گھیر لیں اور دکھ کے موسموں میں درد اور بڑھ جائے۔ اس طرح خودکشی ادیب کے اندر کا ایک مخصوص موسم اور مزاج ہے جو ادیب کی جذباتی اور فکری دنیا سے وابستہ ہے۔ ادیبوں میں خواہشِ مرگ نے خودکشی کا راستہ اختیار کرنے میں اس وقت لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کی جب عہدِ شباب میں شدید جذباتِ زندگی کسی محاذ پر ناکام اور پسپا ہونے لگے۔ ایسے میں ادیبوں نے خودکشی کے بارے میں سوچنے سے زیادہ عمل کرنے کو ترجیح دی۔ بعض اوقات جس بات یا واقعہ سے ادیب کو شدید ذہنی دھچکا لگتا ہے، بہت ممکن ہے کہ عام شخص کے لیے وہ بات بالکل بے معنی اور معمولی ہو اور ایسی باتیں وہ شخص روزمرہ زندگی میں عام طور پر دیکھتا، سہتا اور گزر جاتا ہو۔ جب کہ وہی معمولی بات ادیب کے لیے زندگی ختم کرنے کا بہانہ بن جائے۔ کہانی نویس مظہر الاسلام کا ایک کردار کہتا ہے کہ میں ایسی ایسی باتوں پر کڑھتا ہوں جن کے بارے میں کوئی سوچتا بھی نہیں۔ اپنے کرداروں کے اندر مصنف دراصل خود بولتا ہے۔

نفسیات کے جدید ترین مکاتبِ فکر میں خود پسندی (Vanity) اور وجودی تحلیلِ نفسی نے ادب اور نفسیات دونوں میں ہمہ گیر تبدیلی پیدا کی ہے۔ فلسفہ وجودیت کی طرح وجودی تحلیلِ نفسی میں انتہا پسندی ضرور موجود ہے۔ اس انتہا پسندی میں سچائی کے بہت سے اہم پہلو موجود ہیں۔ خودپسندی اور وجودیت کا تعلق انسان کے داخلی عمل و فکر سے مزین نرگسیت ہے۔ اگرچہ خودداری اور وجودیت کو ماہرینِ نفسیات نے معیوب جذبہ قرار نہیں دیا ہے مگر خود پسندی ایک ناخوشگوار رجحان ضرور ہے۔ محبی فلسفۂ وجودیت اور جدید اُردو افسانے پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ؛

"حیات و کائنات کے بعض مسائل حساس فنکار کو بے چین کیے رہتے ہیں۔ یہ زندگی کیا ہے ؟ اس کی معنویت کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ موت کے بعد کیا ہے ؟ وغیرہ وغیرہ۔"[5]

یہ امور فلسفیانہ مباحث کے زمرے میں آتے ہیں۔ قراۃ العین حیدر کے افسانوں میں فلسفیانہ افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔ قراۃ العین حیدر موت و حیات، جنگ و جدال اور کا ئنات کے بعض المناک پہلوؤں کے اندر زندگی کی جو حقیقتیں ہیں انہیں اپنی تخلیق کا جزو بنا لیتی ہیں۔ زندگی کی یہ سچائی ان کے یہاں کئی جگہ بے حد المیہ صورت میں اُبھرتی ہے۔ موت تو ان کے بعض افسانوں کا مرکزی فیچر بن گیا ہے۔ زندگی کو دوام نہیں۔ اس کی معنویت کھوکھلی ہے۔ اس کا وصف اضطراری ہے۔ وہ قدریں جنہیں کبھی مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے کس طرح دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ ایسے کرب کو جنگیں اور بھی شدید کر دیتی ہیں۔ جنگ اور اس کے ہولناک نتائج وجودی ادیبوں کے یہاں مسلسل برتے گئے ہیں۔ ایک مفکر ہونے کے رشتے سے قراۃ العین حیدر بھی اس سے دامن کشاں نہیں گزر سکیں۔ قراۃ العین حیدر کے افسانوں میں انسانی تہذیب کے نرگسی تضادات نمایاں ہیں۔

نرگسیت کے نفسیاتی عوامل و مظاہر کا ایک اظہار تقسیمِ ہند کے بعد بھی دیکھنے کو آیا ہے۔ انسان اپنی خواہشات کی تکمیل اور آئے روز بدلتی سیاسی و سماجی کشمکش کے اندر ایسے جذبات کا اظہار کرتا ہے جس سے اس کے اندر کی دنیا کی کشمکش کھل کر جذبات و احساسات کا روپ دھارے سامنے آتی ہے۔ تقسیمِ ہند کے تقریباً ایک دہائی پر محیط افسانے اور ناول کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں جو فکری غلبہ اور برانگیختی کے میلانات کارفرما نظر آتے ہیں بقول خاں (٦) کے؛

" ان میں ایک رجحان تو تباہی و بربادی کے نوحے کا ہے، فسادات، قتل و غارت، انارکی اور ہجرت پر مبنی واقعات کا احوال متعدد افسانوں کا موضوع رہا ہے۔ دوسرا رجحان جلا وطنی اور دردِ مہاجرت کی کیفیات یعنی نوسٹلجیا (Nostalgia) کا آئینہ دار ہے۔ تیسرا رجحان تعمیرِ نو کے جذبے کا ہے اور یہ رجحان ایک غالب رجحان کا درجہ رکھتا ہے۔ آزادی کے تقاضوں کا شعور اس رجحان کا محرک ہے۔"[6]

مثبت اقدار کا پرتو متعدد افسانہ نگاروں کے یہاں موجود ہے۔ ایک پُروقار اور باعزت قوم کی حیثیت سے جینے کا عزم ان افسانوں میں مختلف صورتوں میں اُبھرتا ہے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

افسانہ نگار ایک خاص منزل کی نشاندہی کر رہا ہے اور یہ منزل استحصال سے پاک قومی روایات و اقدار اور امنگوں کے مطابق ایک نئی مملکت اور نئے سماج کی تعمیر ہے۔ جہاں اخوات، مساوات، عدل و انصاف، رواداری، دلجوئی و غم گساری اور ہمدردی کا درو دورہ ہو۔ نئے سماج کی تعیر و تشکیل کی لگن اور ولولہ زخموں کو مرہم لگا رہا ہے۔ لُٹے پٹے گھرانے، بہن بھائیوں سے بچھڑے افراد، اپنے ہونٹوں کو دبائے ہوئے ہیں کہ اب انہیں نئے زخم نہیں لگیں گے۔ ان کی عزتِ نفس ، جان و مال محفوظ ہو گا۔ نصب العین کی لگن اور واضح اور متعین منزل کے سامنے ہونے سے انسانی شخصیت میں جو انتہائی حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو سکتا ہے وہ انقلاب اپنا رنگ دکھا رہا ہے لیکن جب ایک دہائی بیت جانے کے باوجود ہم اپنی حقیقی زندگی کی منزل سے دور رہے اور ایک نیا نو دولتیا طبقہ جنم لینے لگا اور وہ لوگ سندِ اقتدار پر متمکن ہو گئے جو جنگِ آزادی میں شریک نہ تھے توDisillusionment کا دور شروع ہو گیا۔ شکست خوردگی، پسپائی، گریز اور بیزاری کے رجحان نے سر اُٹھانا شروع کیا۔ عزم و یقین کی جگہ تشکیل، شکوک و شبہات، خود پروری، خودپسندی، خود غرضی اور خودنمائی نے لے لی ہے اور نفسا نفسی کا شیطانی چکر شروع ہو گیا۔ اس دور نے ہمہ گیر نفسیاتی نرگسیت کے اثرات مرتب کیے ہیں۔

نرگسیت کی ایک شکل ہم جنسی کی ذہنیت (Homosexuality) بھی ہے۔ چوں کہ نرگسی انسان اپنی ذات سے محبت کرنے کا عادی ہوتا ہے اس لیے وہ رفتہ رفتہ اپنی جنس سے بھی محبت کرنے لگتا ہے۔ بعض اوقات یہ رجحان اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ نرگسی انسان کو عورت سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ہم جنسی کے رجحان کا اظہار اُردو شعرا نے کثرت سے کیا ہے۔ ہم جنسی کا رجحان جسمانی اور سماجی عناصر کی بِنا پر پیدا ہوتا ہے۔ اُردو فکشن میں بھی اس رجحان پر افسانے اور ناول دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے جنس پرستی کے رجحان کو عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ منٹو کی ذہنی کشمکش، داخلی انتشار، جنسی ر جحانات، فحش گویائی اور اشتعال انگیزی کے مرقعوں کے پسِ پردہ یہی مذکورہ نرگسیت تھی۔ اس نفسیاتی نرگسیت کا اظہار محسن اپنی کتاب ‘‘سعادت حسن منٹو اپنی تخلیقات کی روشنی میں (ایک نفسیاتی تجزیہ)’’ میں کرتے ہیں۔

> "عورت کے جسم کے وہ حصے منٹو کو دعوتِ نظارہ نہیں دیتے جو شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرتے ہیں۔ اس کی کشش ان اعضا سے ہوتی ہے جن کا جنسی تسکین کے وسیلوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"[7]

منٹو کو مارلن ڈیڑچ کے پیپر بہت پسند تھے۔ وہ ‘‘مارلن ڈیڑچ کی ٹانگوں پر مرتا تھا’’۔ اس لمحے کا انتظار کرتا تھا جب وہ ہاتھ اوپر کرے تو آستین سرک جائے اور مجھے اس کی سفید کہنی دکھائی دے جائے۔ میں نے سوائے کہنی کے اس کے جسم کا کوئی حصہ نہیں دیکھا۔ اس کے جسم کی ہر جنبش پر میری آنکھیں کہنی کی جھلک دیکھنے کو لپکتی تھیں۔ ایک بار وہ اپنی ہتھیلی میں مصری کی ڈلی چھپائے ہوئے تھی اور جب اس نے مُٹھی کھول کر ہتھیلی سامنے کر دی تو مصری کی ڈلی اس کی گلابی ہتھیلی پر برف کے ٹکڑے کی طرح پڑی جھلا رہی تھی--- عصمت چغتائی نے منٹو کو چھیڑنے کی غرض سے کہا تھا کہ کس قدر پُھس پُھسا ہے آپ کا عشق اور اس کے جواب میں منتو لڑ پرا تھا۔ ‘‘قطعی پُھس پُھسا نہیں۔ عصمت بولی مصری کی ڈلی لے کر چلے آئے بڑا تیر مارا۔ تو اور کیا کرتا۔ اس کے ساتھ سو جاتا۔ منٹو چیخا۔ اس طرح سے فلمی دنیا سے وابستہ منٹو کے ایکٹرسوں اور طوائفوں کے بارے میں خیالات میں جنسی نرگسیت کے عوامل کا پتہ چلتا ہے۔

دماغی قوت کا تعلق بھی نرگسیت سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیرن ہارنی نے جب نرگسیت کی تعریف کی تو اُس نے اس خصوصیت کو بھی نرگسیت کے زمرہ میں شامل کیا۔ دماغی اور ذہنی صلاحیت ہر انسان میں موجود ہوتی ہے۔ جب وہ اس کے اظہار کی کوشش کرتا ہے تو اس کی ساری قوت اس کی انا پر مرکوز ہو جاتی ہے اور جب یہ رجحان حد سے تجاوز کرتا ہے تو نرگسیت کی سرحد تک پہنچ جاتا ہے۔ اُردو شاعری میں اس کا اظہار محمد قلی قطب شاہ سے لے کر غالبؔ، میر تقی میرؔ، سوداؔ اور بعد میں یاس یگانہ امیر مینائی اور اکبر الہ آبادی کے ہاں موجود ہے۔ اُردو داستان، ناول، ڈرامہ اور افسانہ میں بھی اس کے واضح آثار پائے جاتے ہیں۔ مرزا ہادی رسوا کے نسوانی کردار، عصمت چغتائی اور ممتاز مفتی کے سماجی کرداروں کی تخلیق میں دماغی قوت کا بھرپور اظہار کیا گیا ہے۔ رضوی اپنی کتاب عصمت چغتائی کی ناول نگاری (ٹیڑھی لکیر کی روشنی میں) لکھتی ہیں کہ ؛

> "ٹیڑھی لکیر کے سلسلے میں عصمت چغتائی نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے ٹیڑھی لکیر میں فرائیڈ کے بدنامِ زمانہ اصولوں سے انحراف کرکے فرد کے ماحولیاتی اثرات پر زیادہ زور دیا ہے۔ "[8]

عصمت نے ایک روسی خاتون کے نام خط میں لکھا ہے ‘‘ٹیڑھی لکیر’’ میں نے عام زندگی سے متاثر ہو کر لکھی ہے۔ اس کے تمام کردار زندہ ہیں۔ اپنے اور اپنے دوستوں کے خاندان میں، میں نے سائیکالوجی

پر بہت سی کتابیں پڑھیں۔ ان سے میں نے ثمن کے کردار کا نفسیاتی تجزیہ کرتے وقت مدد ضرور لی مگر فرائیڈ کے اصول کے بالکل الٹ لکھا ہے۔ فرائیڈ کہتا ہے کہ ہمارا ہر فعل جنسی تحریک سے ہوتا ہے مگر میں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ جنس اپنی جگہ ہے مگر ماحول کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ ذہن کی ساخت کے بارے میں فرائیڈ کا بنیادی خیال یہ ہے کہ ہر شعوری فعل کی تہہ میں لاشعور کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ یہ لاشعور جبلی زندگی کا سرچشمہ اور نسلی ورثہ کا گودام ہے۔ اس گودام میں تمام وہ جذباتی تجربے جمع رہتے ہیں جن کا تعلق بچپن کی زندگی سے ہے اور جن کا موضوع جنسیات ہے۔ یہ جذبات دراصل ان ہیجانوں، تمناؤں اور خواہشوں کے مظہر ہیں جو شعوری زندگی کے معیار سے ٹکراتے ہیں۔ عصمت چغتائی کا شاہکار ''ٹیڑھی لکیر'' کا ہر کردار ہمیں نفسیاتی الجھوں کا شکار نظر آتا ہے۔

فرائیڈ جنسیات کو زندگی کا سنگِ بنیاد اور سب سے بڑا محرک سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک جنسی نشوونما کی تین منزلیں ہیں۔ ان میں سے ہر منزل پر انسان مختلف قسم کی الجھنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پہلی منزل نرگسیت یا خود فریفتگی (Narcissism) کی ہے۔ اس کے علاوہ Ego (انا) اور Super Ego (فوق الانا) کو بھی انسانی شخصیت کی تعمیر میں لازمی قرار دیتا ہے۔ ان کا تعلق مہذب سماجی زندگی سے ہے۔ یہ سماجی زندگی بظاہر ناخوشگوار حقیقتوں کو قبول کرتی ہے اور شعوری عمل کو تہذیب کے معیار پر پہنچاتی ہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد ناولوں، افسانوں اور ڈراموں میں اس وصف کے آثار واضح ہیں۔ گوندنی والا تکیہ، باگھ، آبلہ پا، جنم روپ، علی پور کا ایلی، پاگل خانہ، کاغذی گھاٹ، راکھ، صدیوں کی زنجیر وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔ احمد خاں [9] ''آزادی کے بعد اُردو ناول'' (ہیئت، اسالیب اور رجحانات) میں نفسیاتی و جنسی رجحان اور ناسٹلجیائی عوامل کے نرگسی اظہار کی وضاحت کرتے ہیں۔ اکرام اللہ کے ناول ''گرگ شب'' (1978ء) میں موضوع کے اعتبار سے ایک تجربہ کیا گیا ہے جس کا تعلق اوڈی پس کمپلیکس (Oedipus Complex) جیسے نفسیاتی و جنسی رویے سے ہے بلکہ یوں کہیے کہ Insectarim سے ہے جس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں سے جنسی تعلق کہ جن سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ یونانی ڈرامے اوراوڈی پس کمپلیکس میں یہی مسئلہ پیش کیا گیا ہے کہ جہاں بیٹے کی شادی سگی ماں سے لاعلمی کی بنا پر ہو جاتی ہے اور لاعلمی و عدم واقفیت کے پردہ اُٹھنے پر اوڈی پس کی نفسیات میں ہولناک تبدیلیاں آتی ہیں اور وہ ایسے کرب میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس ہیجانی صورتِ حال کا سدھرنا ناممکن ہے اور جو موت کے ساتھ ختم ہو سکتا ہے۔ ''گرگِ شب'' میں شفیع ناول کا ہیرو اسی نفسیاتی کرب سے دوچار ہے۔ اس کی شخصیت نارمل نظر آنے کے باجوجود اندر سے ریزہ ریزہ ہے۔ وہ مخلوط محفلوں میں بیٹھنے کے باوجود جنسی طور پر ناکارہ تصور کرتا ہے۔ بیگم ریحانہ شیخ سے جو بھاری مشینری بنانے والی ایک فرم کے پاکستانی سربراہ کی بدکردار بیوی ہے۔ قریب تر آنے کے باوجود عین موقع پر سرد پڑ جاتا ہے۔ دراصل تاریک ترین پس منظر کی وا قفیت نے اسے زندہ درگور کر رکھا ہے۔ اس طرح سے اکرام اللہ نے ناول کے مرکزی کرداروں کے ذریعے سے ہمارے اعلیٰ طبقہ کی نرگسی کیفیات کو پیش کیا ہے۔

اُردو فکشن میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ خالص رومانی و عشقیہ رجحان کے حامل ناول اور افسانے کبھی سنجیدہ ناول و افسانے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ ان میں نہ تو موضوعات، تکنیک اور مواد بلکہ اسلوب کا بھی تنوع نہیں ہوتا اور عشق و محبت اور تحیر آمیز فضا اور ایک ہی سی جزئیات کی بنا پر ان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے جو اچھے ادبی ناولوں اور افسانوں کو حاصل ہوتی ہے۔ مگر انتظار حسین نے اپنے تاریخی و تہذیبی شعور کی بِنا پر اُردو فکشن کو عظمت سے ہمکنار کیا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعوں ''گلی کوچے''، ''کنکری''، ''آخری آمی''، ''خیمے سے دور''، ''خالی پنجرہ'' وغیرہ میں انسانی نفسیات اور تہذیبی نرگسیت کے آثار نمایاں ہیں۔ فرید[11] نے اپنے مقالہ ''انتظار حسین کے افسانوں اور ناولوں میں تاریخی و تہذیبی شعور'' میں اس وصف کو پیش کیا ہے۔ انتظار حسین کے افسانوں میں مقصد اور جذباتیب عنقا ہے۔ وہ کھوکھلی رومانویت اور لذت کوشی سے بھی پاک ہے۔ وہ عام انسانوں کے خوشی اور غم کے جذبات، زندگی کی بنیادی سچائیوں اور فرد کی معاشرہ میں شناخت پر زور دیتے ہیں۔ وہ فکر و احساس سے کہانی کو روایتی ڈھنگ پر چلانے کی بجائے اظہار کا نیا پیرایہ تشکیل دیتے ہیں۔ مخفی حقائق منظرِ عام پر آ جائیں اور فنی معیار بھی برقرار رہے یہ قدرے مشکل امر تھا مگر اپنے طاقتور ہتھیار علامت کے ذریعے انہوں نے اس کو ممکن کر دکھایا۔ حق و انصاف کا جنازہ جب نکل جائے تو پھر ظلم کا دور دورہ ہوتا ہے۔ آگ کو آگ سے بجھانے کی سعی کی جاتی ہے۔ شعور سے لاشعور کا رشتہ جوڑنا ہی وہ کمال ہے جس سے ماضی کی بازیافت ممکن ہے۔ انتظار کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی مجرد تصور کی تجسیم نہیں کرتے۔ کہانی کی پرتیں اگر قا ری پر کُھل بھی جائیں تو ان کا خلاصہ بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا یعنی کہانی اپنا احساس دلاتی ہے۔ انتظار حسین کرداروں کو فطری ماحول فراہم کرتے ہیں۔ سامراجی خیالات اور افکار کی جگالی سے انہیں چڑ ہے۔ لہٰذا اپنی روایت اور دیومالا سے وہ

نسبت رکھتے ہیں۔ وہ کائنات کے رموز سے بھی آشنا ہیں۔ جب دنیا جدید دور میں داخل ہو رہی تھی اور کالونیلزم کا سورج زوال پذیر ہو رہا تھا تو ایشیا میں شناخت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ انتظار حسین نے تہذیبی نرگسیت میں شخصیت کی کرچیاں تلاش کیں۔ شہرِ افسوس کی پہلی کہانی ‘‘وہ جو کھوئے گئے’’ اس کی عکاس ہے۔

References/حوالہ جات

۱۔ سندیلوی، ڈاکٹر سلام،" اُردو شاعری میں نرگسیت"، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو،1973ء ص:15-14

۲۔ عسکری، محمد حسن ، "مجموعہ محمد حسن عسکری"، مشمولہ: فرائیڈ اور جدید ادب، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2000ء ،ص:246

۳۔ اختر، ڈاکٹر سلیم، ،" تخلیق، تخلیقی شخصیات اور تنقید"، مشمولہ: ادب۔۔نرگسیت کے آئینہ میں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2006ء ،ص:42

۴۔ عباد، صفیہ،، "ادیبوں میں خودکشی کے محرکات (اُردو ادب کے خصوصی حوالے سے)"، اسلام آباد، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز،2007ء، ص:452-445

۵۔ محبی، ڈاکٹر جمیل اختر،" فلسفۂ وجودیت اور جدید اُردو افسانہ"، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2002ء ،ص:244

۶۔ خاں، ڈاکٹر غلام مصطفےٰ، ، "اُردو افسانے کا نفسیاتی مطالعہ"، سندھ یونیورسٹی، 1975ء ص:579

۷۔ محسن، پروفیسر محمد،" سعادت حسن منٹو اپنی تخلیقات کی روشنی میں (ایک نفسیاتی مطالعہ)"، دہلی، دارالاشاعت ترقی، 1982ء ،ص:49

۸۔ رضوی، شبنم، "عصمت چغتائی کی ناول نگاری"، دہلی، نیو پبلک پریس،1992ء، ص:127

۹۔ احمد خاں، ڈاکٹر ممتاز، "آزادی کے بعد اُردو ناول (ہیئت، اسالیب، اور رجحانات 1947ء---2007ء)"، کراچی، انجمن ترقیٔ اُردو پاکستان، 2016ء ،ص:219-218

۱۰۔ فر ید، غلام، "انتظار حسین کے افسانوں اور ناولوں میں تاریخی و تہذیبی شعور"، اسلام آباد، وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، 2017ء ،ص:273